CHILDREN RIGHTS FROM THE QURANIC PERSPECTIVE

حقوق اطفال قرآنی تناظر میں

Lutf Ur Rahman Yousuf Zai, research scholar, fed Urdu university Email lutfmuneeb@gmail.com
ORCID ID https://orcid.org/0000-0002-0626-0204
Prof. Dr. Abdul Ghafoor Baloch, Former Dean, Faculty of Islamic Studies, Federal Urdu University, Karachi Email draglashari@gmail.com *ORCID ID* https://orcid.org/0000-0002-2871-0421

ABSTRACT:

Knowledge is such an essential element for the evolution and survival of humanity that no sane person can deny its importance. Allah decreed the exalted status of man on the basis of experiential knowledge. Man being the very focus of the holy Quran, it provides guidance about every sphere of his life. The holy Quran gives relatively more importance to pre-youth period because socialization during this period has implications throughout life. Parents are directed to follow an evolutionary approach for education and character building of their children. When children are not yet capable of speaking and their body parts are not fully functional, the Quran lays emphasis on their education and physical development through recreational activities. The Quran also implies that attention should be given to what children say and do so as to better understand their thought pattern. Knowledge of religious beliefs and injunctions should be so profoundly infused in children that they have no iota of doubt throughout life. Teaching children social etiquettes and public manners before they grow up is also essential from the Quranic perspective. In a nutshell, the Quran lays equal emphasis on success in this world and the life hereafter which demands that man should make efforts in different areas as much as they are needed. The Quran seeks to develop such a Muslim who not only excels in secular fields but also embodies moral ideals as a true heir of the Prophets. This is possible if children are educated in line with the principles laid down in the holy Quran.

KEYWORDS**:** *Evolution, Children, Quran, Humanity, Knowledge*.

حقوق اطفال قرآنی تناظر میں: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مرکب بنایا جسم وروح کااور انسانی ذات کے وجود میں آنے کے بعد کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرتا جس میں ان مرکب شدہ عناصر کی نشوونمانہ ہورہی ہوان ہی کی ضروریات کے پیش نظر جہاں ایک طرف کل اسماء کا علم انسانی ذات میں ودیعت کیا تاکہ انسان غور وفکر کے ہتھیار سے لیس ہو کر اس مسخر شدہ کائنات سے جسمانی آرام وسکون کے لیے مادی اسباب اخذ کر سکے وہیں دوسری طرف انبیاء کی بعثت فرمائی جن کی تعلیمات سے نہ صرف فکری عوامل کی بتدریج نشوونما ہوئی بلکہ تطہیر کا عمل بھی،تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اسکی صحیح روح کے مطابق سمجھے۔یہ امر اس لیے بھی لازم تھا کہ خالق ہی مخلوق کے اسرار ورموز کو سمجھتا ہے لہذا وہ ہی ایسا نظام حیات فراہم کر سکتا ہے جو ہر انسان اور گروہ کے لیے ناگریز ہے۔ تخلیق ہی وہ امر ہے جو خالق اور مخلوق اور انسانوں کی باہمی محبت کا باعث ہے،افزائش نسل یہ ہے کہ انسان کا وجود دو مخالف جنس کے باہمی ملاپ سے ظہور میں آتا ہے اس نوزائیدہ وجود کے دنیاوی خالقین کو والدین کہا جاتا ہے، جس طرح والدین کے اولاد پر حقوق ہیں اسی طرح اولاد کے والدین پر لیکن جب یہ دونوں فریق اپنے تخلیقی مقصد اور اس

ذمہ داری کو فراموش کر دیتے ہیں جس کے باعث وہ وجود میں آتے ہیں اور ایک دوسرے سے وابستہ مفادات میں ایسے مدغم ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بھول جائیں تو یہی تعلق معاشرے میں فتنہ فساد کا باعث بن جاتا ہے، قرآن کی تعلیم توازن کی ہے جہاں وہ ایک طرف انسان کی جسمانی ضروریات کو مد نظر رکھتا ہے وہیں ان روحانی عوامل کو بھی جن کی بدولت عدل وانصاف اور نظم وضبط سے بھرپور معاشرہ قیام عمل میں آسکے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دور کے انسانوں کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے احکامات کو نازل فرمایا ہے جیسے جیسے انسان کی فطری صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا گیا ویسے ویسے احکامات کی نوعیت میں تبدیلی بھی واقع ہوتی گئی یہی تدریجی عمل قرآنی تعلیمات کا اہم جزء ہے یعنی جب انسان اس نظام حیات میں نووارد ہوتا ہے تو اسکو دھیرے دھیرے اس نظام کا عادی اور پابند بنایا جاتا ہے جو اسکی ذوق طبیعت اور فطرت سے ہم آہنگ بھی ہے یہی طرز عمل قرآن دنیا میں آنے والے نئے وجود کے لئے بھی ضروری قرار دیتا ہے یعنی ایسی تعلیم وتربیت کا اہتمام ہو جو انکی فطری، جسمانی اور روحانی ضروریات کو پورا کرے علمی اسفار کا مطالعہ ہی ہمارا محور مضمون ہے۔

طفل کے لغوی معنی: طفل عربی زبان کا لفظ ہے۔ ط، ف، ل اسکے حروف اصلی ہیں۔ ط کے زیر اور ف کے سکون کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، یہ مفرد ہے اور اسکی جمع اطفال آتی ہے۔ اس لفظ کے کئی معانی ہیں:

۱۔ کسی بھی چیز کا کوئی جزء اور ٹکڑا، جیساکہ کہا جاتا ہے "تطایر اطفال النار" (۱) (آگ کی چنگاریاں پھیلنا)۔

۲۔ کسی چیز کے ابتدائی حصے کو کہا جاتا ہے اللیل طفل (۲) یعنی رات اپنے ابتدائی مرحلہ میں ہے۔

۳۔ المولود من کل شئ (۳) چھوٹا بچہ خواہ انسان کا ہو یا کسی جانور کا۔

۴۔ یاد رہے کہ یہ لفظ مذکر ومونث دونوں میں یکساں استعمال ہوتا ہے (۴) البتہ عربی میں مونث کے لیے "طفلة" بھی استعمال ہوتا ہے۔ مذکورہ تعریفات سے معلوم ہوا کہ لفظ طفل مختلف معانی کے لیے استعمال ہونے والا لفظ ہے البتہ اسکا زیادہ تر استعمال ابتدائی عمر کے انسان پر ہوتا ہے۔

طفل کی اصطلاحی تعریف: قانونِ فطرت ہے کہ ہر چیز ارتقائی منازل کو طے کرتے ہوئے بام عروج تک پہنچتی ہے اور پھر انتہاء کی طرف یہ سفر جاری رہتا ہے انسان کے ارتقائی مراحل میں سے ایک منزل طفولیت کی ہے جو عمر کا ابتدائی حصہ ہے چنانچہ قرآن کریم میں ان ارتقائی منازل کا تذکرہ یوں فرمایا ارشاد ربانی ہے کہ: {هُوَ ٱلَّذِي خَلَقَكُم مِّن تُرَابٖ ثُمَّ مِن نُّطۡفَةٖ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٖ ثُمَّ يُخۡرِجُكُمۡ طِفۡلٗا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوٓاْ أَشُدَّكُمۡ ثُمَّ لِتَكُونُواْ شُيُوخٗاۚ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ مِن قَبۡلُۖ وَلِتَبۡلُغُوٓاْ أَجَلٗا مُّسَمّٗى وَلَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُونَ} (۵) ترجمہ: "وہی تو ہے جس نے تم کو (پہلے) مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ بنا کر پھر لوتھڑا بنا کر پھر تم کو نکالتا ہے (کہ تم) بچّے (ہوتے ہو) پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو۔ پھر بوڑھے ہو جاتے ہو۔ اور کوئی تم میں سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور تم (موت کے) وقت مقرر تک پہنچ جاتے ہو اور تاکہ تم سمجھو"

دوسری جگہ ارشاد ہے {وَإِذَا بَلَغَ ٱلۡأَطۡفَٰلُ مِنكُمُ ٱلۡحُلُمَ---} (۶) "اور جب تمہارے بچے بلوغت کو پہنچ جائیں۔۔۔" قرآن کریم کے مشہور مفسر امام قرطبیؒ ان آیات کی روشنی میں طفل کی اصطلاحی تعریف یوں بیان فرماتے ہیں۔ "ایک مخصوص عمر کا انسان جس کی اس عمر کی ابتداء ولادت سے ہوتی ہے اور بلوغت تک رہتی ہے"(۷)

قرآن کریم اور والدین : والدین کے پاس بچہ قدرت کی اہم ترین امانت ہے ، جس کا دل بالکل صاف شفاف اور ہر طرح کے اثرات سے خالی ہوتا ہے، وہ ہر طرح کے نقش کو قبول کرنے اور ہر طرح کی حرکات وسکنات اور عادات کو اختیار کرنے کا پورا پورا اہل ہوتا ہے، اگر اسے خیر وبھلائی کا عادی بنایا جائے،اور بہترین تعلیم وتربیت سے ہمکنار کیا جائے تو وہ فرشتہ صفت ولی بن سکتا ہے۔ اور اگر اسے نظر انداز کیا جائے اور جانوروں کی طرح صرف جسمانی غذا دینے پر اکتفا کیا جائے تو وہ بہیمانہ صفات کا حامل اور سماج کے لیے ناسور بن کر سامنے آتا ہے۔اس گوہر نایاب کی تعلیم وتربیت والدین کی اہم ترین ذمہ داری ہے جس میں کسی بھی قسم کی کوتاہی پر والدین سے بازپرس ہوگی۔ارشاد ربانی ہے کہ : { يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلۡحِجَارَةُ ---}(۸) "اے لوگوں جوایمان لائے ہو اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس عظیم ترین آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہونگے۔۔۔" بچوں کی اصلاح اور دین ودنیا کی کامیابی کے لئے لازم ہے کہ والدین بچے کی جسمانی، علمی وفکری ، دینی واخلاقی غرض ہر پہلو پر توجہ دیں ۔ بچہ قرب جوار کے ماحول سے بھی متاثر ہوتا ہے لھذا والدین کو اسکی حرکات وسکنات پر بھرپور نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس نے کہیں سے کوئی غلط عادت تو نہیں سیکھ لی ہے ، جس طرح کسان اپنی فصل پر مسلسل نگاہ رکھتا ہے اور اس میں خودرو پودوں اور گھاس کو نکال کر اُسے صاف وشفاف رکھتا ہے بالکل ایسی توجہ اور نگرانی کا مطالبہ قرآنِ کریم بچوں کے سرپرست سے کرتا ہے۔ والدین نہ صرف احکامات الہیٰ کی پیروی کرائیں بلکہ تدریجاً عمل کے ذریعہ بچوں کے اذہان میں احکام کی ظاہری صورت بٹھائے اور اس حکمت ومعرفت سے آگاہ کرتے رہیں جن کی بدولت اِن اَحکامات کا نزول ہوا۔سرپرست کو چاہیئے کہ توحید، رسالت اور آخرت کے بارے میں بچوں کو آگاہ کریں ۔ توحید ایک ذات برتر پر اعتماد پیدا کرتی ہے اور دیگر سہاروں سے بے نیاز کرتی ہے ، رسالت زندگی کی شاہراہ پر چلنے کا سلیقہ سکھاتی ہے اور آخرت کا تصور جواب دہی کا احساس پیدا کرتا ہے ، یہ وہ عقائد ونظریات ہیں کہ اگر بچوں میں رچ بس جائے تو انسان کو خدا کی مطلوب شخصیت حاصل ہو جاتی ہے ۔ جو اللہ تعالیٰ کا شکر گزار، والدین کا خدمت گزار اور معاشرے کا ایک صالح فرد بن کر ابھرتا ہے ایسے شخص کا تذکرہ قرآن مجید نے یوں فرمایا۔{حَتَّىٰٓ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُۥ وَبَلَغَ أَرۡبَعِينَ سَنَةٗ قَالَ رَبِّ أَوۡزِعۡنِيٓ أَنۡ أَشۡكُرَ نِعۡمَتَكَ ٱلَّتِيٓ أَنۡعَمۡتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَٰلِدَيَّ وَأَنۡ أَعۡمَلَ صَٰلِحٗا تَرۡضَىٰهُ وَأَصۡلِحۡ لِي فِي ذُرِّيَّتِيٓۖ إِنِّي تُبۡتُ إِلَيۡكَ وَإِنِّي

مِنَ ٱلۡمُسۡلِمِينَ}(۹) ترجمہ: یہاں تک کہ جب خوب جوان ہوتا ہے اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے کہ تو نے جو احسان مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر گزار ہوں اور یہ کہ نیک عمل کروں جن کو تو پسند کرے۔ اور میرے لئے میری اولاد میں صلاح (وتقویٰ) دے۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں۔ والدین کی ذمہ داری صرف دینی عقائد اور عبادت کی تعلیم دینا ہی نہیں بلکہ اُنھیں دنیاوی اعتبار سے بھی تعلیم دینا ہے جس سے ان کو معاشرہ میں ایک اہم مقام اور مرتبہ حاصل ہو۔ والدین کی ذمہ داری اور اولاد کے حقوق کے متعلق ڈاکٹر علوی فرماتے ہیں کہ: "بچے اللہ تعالی کی نعمت ہیں انکی قدر کرنی چاہیئے ،انہیں زحمت سمجھ کر ان سے نجات حاصل کرنا نہ صرف کفران نعمت ہے بلکہ انسانی معاشرے کے لیے بے حد نقصان دہ ہے۔ان سے بدسلوکی کرنا ،اُن کی پرورش میں کوتاہی برتنا اور انکی تعلیم و تربیت کا انتظام نہ کرنا نسل انسانی کی بقاء اور اس کے استحکام کے لیے مضر ہے" (۱۰) اسلام چاہتا ہے کہ والدین، اولاد کی تعلیم و تربیت اس طرح سے کریں کہ وہ بجائے معاشرے پر بوجھ بننے کے خود غریبوں، یتیموں، مسکینوں ،بیواوں اور دیگر کمزوروں کا بوجھ اٹھانے والے بن جائیں،ایک فرد کی اعلی تربیت کا مطلب یہ ہے کہ اسکا فائدہ اسکے خاندان ،ملک و قوم اور اُمت کو حاصل ہو جائے اور دیگر اقوام سے مقابلہ کرنے کی اہلیت پیدا ہو جائے اور دنیا اور آخرت کی کامیابی کا جو مقصد اللہ تعالی نے بنی نوع انسان کو عطا کیا اللہ تعالی چاہتا ہے کہ والدین اور بچوں کے سرپرست اِس کو مد نظر رکھتے ہوئے اولاد کی تربیت کریں۔ ان احکام سے صرف نظر کی صورت میں جو بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں فرمایا۔ {وَٱلَّذِي قَالَ لِوَٰلِدَيۡهِ أُفّٖ لَّكُمَآ أَتَعِدَانِنِيٓ أَنۡ أُخۡرَجَ وَقَدۡ خَلَتِ ٱلۡقُرُونُ مِن قَبۡلِي وَهُمَا يَسۡتَغِيثَانِ ٱللَّهَ وَيۡلَكَ ءَامِنۡ إِنَّ وَعۡدَ ٱللَّهِ حَقّٞ فَيَقُولُ مَا هَٰذَآ إِلَّآ أَسَٰطِيرُ ٱلۡأَوَّلِينَ} (۱۱) ترجمہ: اور جس شخص نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ اُف اُف! تم مجھے یہ بتاتے ہو کہ میں (زمین سے) نکالا جاؤں گا حالانکہ بہت سے لوگ مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اور وہ دونوں خدا کی جناب میں فریاد کرتے (ہوئے کہتے) تھے کہ کم بخت ایمان لا۔ خدا کا وعدہ تو سچا ہے۔ تو کہنے لگا یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

اطفال عہد جاہلیت میں: سرکار رسالت مآب ﷺ سے پہلے عرب کو جلی ہوی زمین کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، صحراؤں میں انسان نما جانور رہتے تھے جو بات کا بتنگڑ بنانے میں دیر نہیں کرتے تھے فساد وخون ریزی انکی سرشت کا حصہ بن چکی تھی، قبیلہ وار جنگیں روایتی انداز میں مسلسل قائم رہتی جن کی غایت ملک گیری،مال غنیمت، شخصی یا قومی اغراض و مقاصد ہوا کرتے تھے، دوسرے تمام جاہلی معاشروں کی طرح عرب کا معاشرتی نظام بھی خودساختہ رسوم کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، کھانے پینے، مجلسی طور طریقوں میں ، وراثت اور نکاح وطلاق کے معاملات میں من گھڑت ضابطے رائج

تھے اور انھیں مذہبی تقدس کا سا احترام حاصل تھا۔ ان تمام اُمور میں کوئی اخلاقی ضابطہ یا سوچ موجود نہیں تھی یہاں تک کہ خالق کائنات کی شان میں بھی گستاخی کرتے نہیں شرماتے، قرآن کریم نے ان کی جسارت کو یوں بیان فرمایا: {أَلَكُمُ ٱلذَّكَرُ وَلَهُ ٱلْأُنثَىٰ ۞ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰٓ } (۱۲) ترجمہ: "کیا تمہارے لئے بیٹے اور اس کیلئے بیٹیاں ہیں۔ یہ تو بڑی ہی بھونڈی تقسیم ہوئی" قبائلی معاشرے میں عصبیت کا رجحان عام تھا اور وہی قبیلہ ہی طاقت ور تسلیم کیا جاتا جو کہ ان خودساختہ روایات کا امین اور اس پر عمل پیرا ہوتا، سگے بھائیوں، چچیرے بھائیوں اور کنبے قبیلے کے لوگوں کے باہمی تعلقات آپس میں مضبوط اور پختہ ہوتے، قبائلی عصبیت ہی کے سہارے جیتے اور اسی کے لیے مرتے، قبیلے کے اندر باہمی تعاون اور اجتماعیت کی روح جذبہ عصبیت کے تحت ہوتی اور یہ عنصر انکے اجتماعی نظام کی بنیاد تھی۔ اُس معاشرتی نظام میں طاقت اور اختیار ہی اہمیت کے حامل اُمور تھے جو کہ براہ راست مردانہ اوصاف سے منسلک تھے یہی وجہ تھی کہ ’’کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی اطلاع ملتی تو سخت مغموم ہو کر لوگوں سے چھپتا پھرتا، قبائلی طرز زندگی میں بیٹے ضرب وحرب کے معاملات میں حصہ لے کر قبیلہ کی طاقت کا باعث بنتے جبکہ عورت ایسے کاموں میں خود ایک بوجھ بن جاتی ہے۔‘‘ (۱۳) وہ لوگ اپنے بھائی کی مدد کو اپنے اوپر لازم سمجھتے تھے خواہ ظالم ہو یا مظلوم، آپس کے لیے وہ کوئی قاعدہ، قانون کی پاسداری کو لازمی نہیں سمجھتے، جس معاشرے میں ظاہری شان وشوکت، طاقت واختیار کا منبع جاہلانہ واہیات ہوں تو اس معاشرے میں اُن ہی وجوہات کو اہمیت دی جاتی ہیں جن سے یہ اُمور حاصل ہوں اور لڑکے ہی ان مقاصد کی تکمیل کا واحد ذریعہ و وسیلہ سمجھے جاتے تھے۔ قرآن کریم کے مطالعے سے یہ بات بالکل واضح اور عیاں ہے کہ اُس معاشرے میں لڑکیوں کا ساتھ نا روا سلوک رکھا جاتا تھا، چناچہ ان کی پیدائش کو چھپانا اور انہیں اپنے لیے عار سمجھنا بالکل عام تھا حتی کہ بعض نادان بچیوں کو زندگی کا حق بھی نہیں دیتے تھے۔ عرب کے بعض نہایت اجڈ قبیلوں میں جہالت نے جو مختلف نتائج پیدا کئے تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ عرب میں قحط سالی کے باعث معاش کا حصول ہمیشہ مشکل رہا، بنا بریں کثرت عیال تنگدستی میں ایک مصیبت بن جاتی تھی۔ لڑکے کی پیدائش پر یہ سوچا جاتا کہ لڑکا بڑا ہو کر حصول معیشت میں معاون ثابت ہو سکتا ہے، اس لیے اس کا وجود اہل خانہ کے لیے ایک رحمت ہے لیکن لڑکی میں کسب معاش کی اہلیت نہیں اس لیے وہ ایک بوجھ کے سوا اور کچھ نہیں چنانچہ پہلے ہی دن یا جب بھی موقع ملتا اس بوجھ سے جان چھڑانے کی کوشش کی جاتی۔ اُس ماحول کی عکاسی قرآن کریم میں ان الفاظ میں کی گئی ہے: { وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِٱلْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُۥ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۞ يَتَوَارَىٰ مِنَ ٱلْقَوْمِ مِن سُوٓءِ مَا بُشِّرَ بِهِۦٓ ۚ أَيُمْسِكُهُۥ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُۥ فِي ٱلتُّرَابِ ۗ أَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ} (۱۴) ترجمہ: "اور جب خوشخبری دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو بیٹی کی تو ہو جاتا ہے اس کا چہرہ سیاہ اور دل میں کڑھتا ہے اس خوشخبری کو برا سمجھ

کر لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے کہ)ذلت برداشت کر کے اسے اپنے پاس رہنے دے، یا اسے زمین میں گاڑھ دے۔ دیکھو انہوں نے کتنی بری باتیں طے کر رکھی ہیں"۔ کثرت تعداد پر فخر و مباہات کا دائرہ تصرف مردوں تک ہی محدود تھا وہ عورت کے مقدس وجود کو اپنے لیے باعث ننگ و عار سمجھتے تھے اور اسکے بدن کو فقط ایک آلہ تلذذ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے ۔ یہاں تک کہ اسے آزادی رائے کا بھی حق حاصل نہیں تھا۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا ان کی قبائلی تہذیب کا حصہ تھا ،لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم اس لیے عام تھی کہ عرب کا سرمایہ دار طبقہ فقر و تنگ دستی سے ہمیشہ خوف زدہ رہتا تھا اس لیے لڑکی کی شادی اور امور زندگی پر اٹھنے والے اخراجات کو برداشت کرنے کے بجائے ان کو زندہ درگور کرنے کو ترجیح دیتا۔ عرب میں یہ تصور عام تھا کہ '' بیٹا تو اپنے گھر اور قبیلے کے لیے جوان ہو کر قوت دفاع کا سامان بنتا ہے، لیکن بیٹیاں دفاع میں معاون تو کیا ہوں گی البتہ خود انہیں سنبھالنا پڑتا ہے۔۔۔ یہ خیال بھی تھا کہ جب ایک قبیلہ دوسرے قبیلے پر شب خون مارتا ہے تو جو لڑکیاں بھی ان کے ہاتھ لگتی ہیں ، انہیں لے جا کر یا تو لونڈیاں بنالیا جاتا ہے اور یا ان سے پیشہ کرایا جاتا ہے یہ دونوں باتیں چونکہ غیرت کے خلاف تھیں اس لیے بیٹی کے وجود کو ہی غیرت کے لیے چیلنج سمجھ کر ختم کرنے میں عافیت سمجھی جاتی تھی'' (۱۵) الغرض صنف نازک کو مرد کے مقابلے میں پورے جزیرہ عرب میں دوسرے درجے کی مخلوق سمجھا جاتا تھا،عرب کے عام قبائل میں ان کے لیے حقوق کا کوئی تصور نہ تھا جب کہ بعض قبیلوں میں تو اس کے وجود سے نفرت کی جاتی تھی۔اسلام جو کہ دین فطرت ہے اس کی تعلیم نے اس مظلوم طبقہ کے ساتھ ہمدردی اور غم گساری کی وہ ترغیب دی کہ بچیاں اللہ تعالیٰ کی رحمت قرار پائیں اور ان کا وجود والدین کے لیے جنت کی نوید بن گیا۔

تخلیق انسان اور قرآن: اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلافت کا منصب علم کی بنیاد پر عطا فرمایا اور علم کی دریافت اس نے غور و فکر اور تدبر کے اندر رکھی یعنی انسانی شعور میں ہے کہ وہ چیزوں کو دیکھتا ہے اُن اشیاء کے اندر موجود اُصولوں کو سمجھتا ہے اور عملی طور پر نافذ کر کے نتائج کو اخذ کرتا ہے ۔ قرآن کے نزدیک انسان، جانور کی ترقی یافتہ شکل نہیں بلکہ ودیعت کردہ علوم کا حامل، تحقیقی اور تخلیقی عناصر سے مزین شخصیت ہے ۔انسان کی تخلیق صرف دنیا کی چیزوں سے فائدہ حاصل کرنے، کھانے پینے اور موج مستی کرنے کے لیے نہیں کی گئی اور نہ ہی عقل و شعور، علم وادراک کی امتیازی خوبیاں اِس لیے دی گئیں کہ وہ انکے بل بوتے پر اپنی زندگی صرف عیش و عشرت اور بہتر سے بہتر سہولتوں کے حصول میں ضائع کردے بلکہ اسکا مقصد تخلیق اپنے خالق وصانع کی بندگی اور اسکی اطاعت وفرماں برداری ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے کہ : {ٱلَّذِي خَلَقَ ٱلۡمَوۡتَ وَٱلۡحَيَوٰةَ لِيَبۡلُوَكُمۡ أَيُّكُمۡ أَحۡسَنُ عَمَلٗاۚ وَهُوَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡغَفُورُ} (١٦) ترجمہ : "اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا

تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔ اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے" انسان کو اسکے خالق اور پروردگار نے اپنے حال پر نہیں چھوڑ رکھا بلکہ آزمائش سے سرخرو نکل سکنے کے لیے تدبیروں اور کوششوں کا سارا بوجھ اس کی اپنی عقلی قوت اور فطری صلاحیت پر ڈال رکھا ہے، اس کی مشیت کا بجا طور پر یہ فیصلہ ہوا کہ وہ انسان کو آزمائش میں کامیاب ہونے کے لیے عقل اور فطرت سلیمہ کے سوا کچھ اور بھی دے، ایسی چیز دے جو اسکی عقل کو ہر بہکاوے سے اور اسکی فطرت کو ہر بہلاوے سے بچالینے والی ہو یہی وہ چیز ہے جسکو وحی الٰہی کہتے ہیں۔ وحی الٰہی انسان کی عقل کو روشنی دکھاتی اور اسکی فطرت کا تزکیہ کرتی ہے، یہ وحی سراپا ہدایت ہوتی ہے جو پوری وضاحت اور کامل صراحت کے ساتھ انسان کو بتا اور سمجھا دیتی ہے کہ اللہ کی رضا کیا ہے جو امر توجہ طلب ہے وہ یہ کہ ''اس آسمانی ہدایت کا قبول کرنا یا نہ کرنا ہر شخص کی اپنی آزاد مرضی پر موقوف ہے کیونکہ اگر یہ آزادی انسان کو حاصل نہ ہوتی تو نہ صرف یہ سارا ہنگامہ حق و باطل سرد پڑ کر رہ جاتا بلکہ انسان کے پیدا کیے جانے کا مقصد بھی فوت ہو جاتا "۔ (۱۷) اب جو کوئی اس رہنمائی کو قبول کر لینے کا فیصلہ کرلیتاہے اور اِس فیصلہ کو عمل کی شکل بھی دیتا ہے یہی رہنمائی اسکو فرقان عطا کرتی ہےاور صحیح معنوں میں اہل دانش کے زمرہ میں شامل کر دیتی ہے، اِس کے بعد وہ جو کچھ سوچتا ہے ٹھیک رخ سے سوچتا ہے جو کچھ کرتا ہے صحیح ڈھنگ سے کرتا ہے، اسکا ہر قدم صحیح ارتقاء کا قدم ہوتا ہے اس کی زندگی خوشحالی اور نیک انجام بن جاتی ہے، اِس رہنمائی کو اللہ رب العالمین کی سب سے بڑی نوازش، رحمت اور نعمت کاملہ کہا جاتا ہے کہ جس کی بدولت انسان تخلیقی مقصد سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

انسانی ارتقاء اور قرآن: اللہ تعالی خالق کائنات ہے جو اشیاء کو عدم سے وجود میں لائے، عام مشاہدہ میں ہے کہ بنانے والے کو اپنی بنائی ہوئی چیز سے محبت ہوتی ہے بالکل اسی طرح یہ تخلیقی امر اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محبت کی ابتداءاللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے، محبت کرنا اصلا اللہ کی سنت ہے بندہ اللہ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ردعمل کی صورت میں اللہ سے محبت کرنا ہے، پس اللہ تعالی پہلے محب بنتا ہے پھر محبوب بنتا ہے، اللہ تعالی میں دونوں شانیں موجود ہیں یعنی وہ اپنی تخلیق سے محبت کرتا ہے اور اس میں ایسی صفات موجود ہیں جن کی بناپر اس سے محبت کی جائے، انسان جس کو اُس نے احسن تقویم کے درجہ پر تخلیق کیا اسکی محبت کا عالم یہ ہے کہ تخلیق کے ابتدائی مراحل سے اس کی نظریں اُس پر ہیں اور محبت کرنے والے خالق کی حیثیت سے جب وہ انسان کچھ بھی نہیں تھا اس کی فکر کرتے ہوئے ہر مرحلہ میں اسکے ساتھ ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے کہ :{ يَخۡلُقُكُمۡ فِي بُطُونِ أُمَّهَٰتِكُمۡ خَلۡقٗا مِّنۢ بَعۡدِ خَلۡقٖ فِي ظُلُمَٰتٖ ثَلَٰثٖۚ ذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ رَبُّكُمۡ لَهُ ٱلۡمُلۡكُۖ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَۖ فَأَنَّىٰ تُصۡرَفُونَ} (۱۷) ترجمہ :"وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کرتا ہے ایک خلقت کے بعد دوسری

خلقت میں تین باریک پردوں کے اندر، یہی اللہ تمہارا رب ہے، اسی کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تم کدھر سے پھرائے جارہے ہو"۔یعنی انسان کے بچے کی تین تہ بہ تہ تاریکیوں کے اندر پرورش ہوتی ہے اور تینوں پردے اس جنین کو بیرونی آفتوں سے محفوظ رکھتے ہیں تب جاکر جنین پیدا ہونے کے قابل بچہ بنتا ہے، ان میں پہلا پردہ ماں کا پیٹ ہے دوسرا پیٹ کے اندر رحم اور تیسرا رحم کے اندر جھلی جس میں جنین ملفوف اور محفوظ ہوتا ہے پھر اس عرصہ میں اس جنین پر کئی مراحل اور اطوار گزرتے ہیں، پہلے وہ نطفہ ہوتا ہے پھر منجمد خون پھر گوشت کا لوتھڑا، اسمیں روح پھونکی جاتی ہے بعد ازاں اِسکی شکل وصورت بنتی ہے اور یہ سب کچھ تین تاریکیوں کے اندر ہی ہوتا ہے تا آنکہ وہ جنین مقررہ وقت کے بعد انسان کی شکل وصورت لے کر ماں کے پیٹ سے باہر آجاتا ہے۔ خالق کا اپنی مخلوق سے محبت کا اظہار زندگی کے ہر پہلوں میں مختلف طورطریقے کے ساتھ نظر آتا ہے، تین اندھیروں میں نگہداشت کے بعد جب دنیا میں آتا ہے تو اللہ تعالی اس حقیر، کمزور اور ناکارہ حیثیت کی حامل مخلوق کی ذہنی وجسمانی نشوونما کے لیے والدین کی صورت میں نگہبان فراہم کرتا ہے جو اسکی ضروریات کو پورا کرتے ہیں، ماں کا دودھ بچہ کے لیے ایک مکمل غذا ہے، ماں اور بچے کا رشتہ سب سے مضبوط رشتہ ہے، یہ ایک خونی، خاندانی، دماغی جذباتی اور کیمیائی رشتہ ہے، بقائے حیات انسانی کا تقاضا ہے کہ اس رشتے کو ماں اپنا دودھ پلاکر قائم وسلامت رکھے، ماں کا دودھ پلانا فطرت کے عین مطابق ہے اس لیے حکم ربانی ہے کہ: {وَٱلۡوَٰلِدَٰتُ يُرۡضِعۡنَ أَوۡلَٰدَهُنَّ حَوۡلَيۡنِ كَامِلَيۡنِ---}(۱۹) ترجمہ: "اور مائیں اپنے بچوں کو دوسال تک دودھ پلائیں" مالکِ فطرت نے یہ قانون اس لیے بنایا کہ بچے کو دودھ میں وہ تمام اجزاء مل جاتے ہیں جو اس کی ساخت اور نشوونما کے لیے ضروری ہوتے ہیں، بچے کی پیدائش کے لیے چار تا چھ ماہ، ماں کا دودھ ہی اسکی مکمل غذا ہے۔ سائنس اور طب جدید کے ماہرین بچوں کو ماں کا دودھ پلانے پر اتفاق کرتے ہیں اس سے بچے کے مختلف بیماریوں مثلا دست، قے وغیرہ سے حفاظت ہوتی ہے اور ساتھ ہی ماں کے لیے بایں معنی مفید ہے کہ اس کی چھاتی اور بیضہ دانی کے سرطان میں مبتلا ہونے کے خطرے کو بھی کم کردیتا ہے، بچے کو دوسرے سال میں ماں کے دودھ کے ساتھ ساتھ دوسری خوراک دینا بھی مفید ہے، چنانچہ اس ایک سال کے عرصے میں غذائی اشیاء سے مانوس اور ماں کے دودھ سے مستغنی ہوجاتا ہے، اس لیے ماہرین اطفال، قرآنی تعلیمات کے عین مطابق دوسال کے بعد بچوں کو دودھ پلانا غیر فائدہ مند قرار دیتے ہیں، جیسا کہ ورلڈ ہیلتھ آرگنائیزیشن اپنے ہدایت ناموں میں اس بات پر زور دیتا ہے کہ ''دوسال کی عمر تک بچے کو اس کی تمام غذائیت خوراک سے حاصل ہوجاتی ہیں، اس لیے اس کے بعد سے ماں کا دودھ پلاتے رہنے کا کوئی اضافی فائدہ نہیں ہے''(۲۰) اسلام کا رضاعت کا مسئلہ بھی اسی سائنسی تحقیق سے حل ہوجاتا ہے کہ اگر ڈھائی سال کی عمر تک بچے نے

کسی بھی عورت کا دودھ پیا تو اس کے اندر دودھ کے ذریعہ اس کے خواص اس کے بدن کا حصہ بن جاتا ہیں جو کہ مماثلت رکھے گا اُن بچوں کے ساتھ جو کہ اس عورت کے حقیقی بچے ہیں ، لیکن اگر دو سال کی عمر گزر جائے تو بچے کے بدن میں دودھ کے فوائد تو مل جائیں گے لیکن خواص منتقل نہ ہوں گے اور بچے کو فطری طور پر اسکی ضرورت بھی نہ ہو گی ۔ ایک مرحلہ یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ علم سے آراستہ فرماتے ہیں، زندگی کے ہر موڑ ہر اور ہر شعبہ سے متعلق ضروری علم اللہ تعالیٰ اس میں ودیعت فرماتے ہیں، اسے سماعت و بصارت سے نواز کر اسے خیر و شر کے راستوں سے آگاہ فرمایا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے :{ إِنَّا خَلَقْنَا ٱلْإِنسَـٰنَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَـٰهُ سَمِيعًۢا بَصِيرًا ۝ إِنَّا هَدَيْنَـٰهُ ٱلسَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ۝} (۲۱) ترجمہ: ہم نے انسان کو نطفۂ مخلوط سے پیدا کیا تاکہ اسے آزمائیں تو ہم نے اس کو سنتا دیکھتا بنایا۔ (اور) اسے رستہ بھی دکھا دیا۔ (اب) وہ خواہ شکر گزار ہو خواہ نا شکرا۔ سورۃ النحل میں اسی محبت اور اسی انعام کا ذکر یوں فرمایا۔{وَٱللَّهُ أَخْرَجَكُم مِّنۢ بُطُونِ أُمَّهَـٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْـًٔا وَجَعَلَ لَكُمُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَـٰرَ وَٱلْأَفْـِٔدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝} (۲۲) ترجمہ: اور خدا ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے شکم سے پیدا کیا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے۔ اور اس نے تم کو کان اور آنکھیں اور دل (اور اُن کے علاوہ اور) اعضا بخشے تاکہ تم شکر کرو۔ اسی صفت یعنی علم کا تذکرہ بار بار قرآن کریم میں فرمایا اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ علم صفت خداوندی ہے اور اپنے خلیفہ کو اپنی اس صفت میں سے حصہ عنایت فرمایا سورۃ العلق میں ارشاد ہیں۔{عَلَّمَ ٱلْإِنسَـٰنَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝}(۲۳) ترجمہ: اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اس کو علم نہ تھا۔ مذکورہ آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وسائل کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ سب کچھ سکھانے پر قادر ہے، لیکن تعلیم کو ایک ذریعہ اور وسیلہ بنایا۔ والدین، استاد، مربی اور دیگر وسائل تعلیم، مدرسہ، قلم وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے علم سے مربوط فرمایا۔ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اسی آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔"اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگرچہ تعلیم دینے کا عام طریقہ یہی ہے کہ قلم سے لکھی ہوئی کوئی تحریر پڑھوائی جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کے بغیر بھی کسی کو تعلیم دے سکتا ہے چناچہ حضور اقدس ﷺ کو امی ہونے کے باوجود وہ علوم عطا فرمائے جو کتاب سے پڑھنے والوں کے خیال میں بھی نہیں آئے۔ (۲۴)

فطرت اور اطفال: بچپن میں فطری طور پر بچے کھیل کود کے شوقین ہوتے ہیں، جس سے ان کے اعضائے جسمانی کی ورزش ہوتی رہتی ہے جو ان کی بہتر نشوونما کا پیش خیمہ بنتی ہے، کھیل جہاں بچوں کی بہترین نشوونما میں معاون ہوتی ہے وہیں بچوں کی کردار سازی اور نفسیاتی تربیت میں بھی اس سے مدد ملتی ہے، زمانہ قدیم سے بھی مختلف قسم کے کھیل اور صحت مندانہ سرگرمیوں سے بچوں کو روشناس کروایا جاتا ہے جیسے تیراکی، دوڑ لگانا اور مختلف قسم کے کھیل جو کہ ہر عہد میں معروف ہوتے ہیں تاکہ بچوں کو صحت مند بنا کر مطلوبہ اہداف کا حصول ممکن

بنایا جا سکے، تحقیق سے یہ بات واضح ہے کہ صحت مند بچے ہی دین و دنیا میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، ان ہی باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جب حضرت یعقوبؑ سے انکے بیٹوں نے حضرت یوسفؑ کو لے جانے کی اجازت مانگی تو آپؑ نے اجازت دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مکالمے کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا کہ: {اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ} (۲۵) ترجمہ: "کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ خوب میوے کھائے اور کھیلے کودے ہم اس کے نگہبان ہیں"۔ حضرت یعقوبؑ کی اجازت کا مقصد بھی یہ ہی تھا کہ کھلی فضا یعنی فطری ماحول میں جا کر بچے کی طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے۔ عہد جدید میں بھی ان ہی اصولوں کی بنیاد پر ایسے ادارے وجود میں آ گئے ہیں جہاں بچوں کو کھیل کود کے ذریعے اور فطری ماحول میں رکھ کر ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کیا جاتا ہے کھیل کود بچوں کا محبوب ترین مشغلہ ہی نہیں بلکہ زندگی کی علامت، صحت و عافیت کا ضامن، نشو و نما میں معاون اور تعلیم و تربیت کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ چھوٹے بچوں کو کھیل کھیل میں تدریس بھی کروائی جانی چاہیے اور سبق کے حوالے سے کوئی نہ کوئی کھیل پر مبنی سرگرمی رکھی جائے تاکہ وہ مکمل طور پر تندہی سے حصہ لیں اور نتیجتاً کچھ نہ کچھ سیکھ لیں، معروف تعلیمی ماہرہ سارہ نائیٹ کہتی ہیں کہ "بڑوں کی زیر نگرانی بچوں کا کھیلنا ان کو اپنے آپ فطرت سے ہم آہنگ ہونے اور تخلیقی صلاحیت کا بیدار ہونے کا باعث ہوتا ہے"۔(۲۶) کھیل کود کے ذریعہ سیکھنے کے عمل کے اثرات تا حیات انسان پر قائم و دائم ہوتے ہیں، حقیقی مسرت کے حصول سے پڑھائی کا دباو بھی کم ہو جاتا ہے، منفی خیالات کا تدارک ہوتا ہے، مایوسی کا سد باب، غم غلط ہو جاتے ہیں، بچوں کی الجھنیں اور پریشانی دور ہو جاتی ہیں اور ساتھ ہی بچوں کی شخصیت میں ہم آہنگی اور توازن پیدا ہوتا ہے، خالق کائنات نے ان ہی فوائد کے حصول کے خاطر بچوں کو فطری ماحول میں تعلیم و تربیت دینے کا سرپرستوں کو مکلف بنایا۔

اطفال اور اخلاقیات: اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے خانگی تعلقات کا مقصد صرف عمل زوجیت کی تکمیل اور تسکین نفس نہیں رکھا بلکہ قرآن کے نزدیک یہ ایک تمدنی فریضہ ہے جس سے نسل انسانی کی حفاظت اور بقاء مطلوب ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ عورت کا کام محض بچے پیدا کرنا نہ ہو بلکہ اخلاقی تربیت، تعلیم اور انکی مناسب پرورش بھی ہو یہ ہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے عورت کے لیے حرث یعنی کھیت کا لفظ استعمال کیا ہے جس طرح ایک کھیت کے دامن سے ایک خاص ترتیب اور عمل سے فصل تیار ہو کر نکلتی ہے اسی طرح صنف نازک کے دامن سے بھی نسل انسانی کو مکمل طور پر تیار ہو کر نکلنا چاہیے، اس ہی سبب سے قرآن کریم بچوں کی ایسی اخلاقی تربیت چاہتا ہے جس سے نہ صرف معاشرہ پر امن ہو بلکہ وہ اس کا ہر فرد معزز ہو۔ اخلاق و کردار نسل انسانی کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے، اگر کوئی قوم اخلاق سے محروم ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے تعمیر و ترقی سے ہم کنار نہیں کر سکتی، اس کے برخلاف بااصول و باکردار قوم کو کوئی طاقت زیر نہیں کر سکتی۔ اخلاق و کردار سے مزین کرنے کا سب سے سنہرا دور بچپن کا دور ہے اس عمر میں جسمانی نشو و نما کے ساتھ کردار بھی نشو و نما پاتا ہے۔ اخلاقی امور میں سب سے اہم شرم و حیا ہے، اسلام دین فطرت ہے جو ہمیشہ انسانیت کی بھلائی اور عظمت و تعظیم کا درس دیتا ہے اعلیٰ اخلاق و کردار کی تکمیل کے لیے حیا کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم ہمیں اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ بچپن سے ہی بچوں کے اذہان میں حیا کی

اہمیت اجاگر ہو۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ : {وَإِذَا بَلَغَ ٱلۡأَطۡفَٰلُ مِنكُمُ ٱلۡحُلُمَ فَلۡيَسۡتَـٔۡذِنُواْ كَمَا ٱسۡتَـٔۡذَنَ ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِهِمۡۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمۡ ءَايَٰتِهِۦۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ} (۲۷) ترجمہ: "اور جب تمہارے بچے بلوغت کی عمر کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ وہ بھی اجازت لیں جیسے ان سے پہلے لوگ اجازت لیتے ہیں اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات کی وضاحت کرتا ہے۔اور اللہ علیم ہے حکیم ہے "شرم وحیا سے مراد صرف جنس مخالف سے ملاپ میں احتیاط نہیں بلکہ قرآن چاہتا ہے کہ بچپن سے ہی بچوں میں یہ احساس اجاگر ہو جائے کہ دنیاوی زندگی کے ہر شعبے میں احتیاط برتی جائے یعنی جھوٹ، فریب، دغابازی، رشوت، چوری، قتل وغارت گری، بے حیائی، حرام خوری وغیرہ وغیرہ اِن تمام اُمور میں جب بھی اس کو دعوت ملے یا اس کی طبیعت چاہے تو اس کو اللہ تعالی کے سامنے پیش ہونے کا تصور سامنے آجائے اور جواب دہی کا احساس اتنا مضبوط اور مستحکم ہو کہ وہ ان گناہوں کے کام سے شرمائے اور باز آجائے۔ قرآن کریم نے حضرت لقمان علیہ السلام کے نصائح کو نقل فرماکر ہر والد کو اس بات کی آگاہی دی کہ بچے کی تربیت میں جہاں عقائد کی تصحیح اور اعمال صالحہ پر استقامت کو اہمیت حاصل ہے وہاں پر معاشرتی اقدار و اطوار، اخلاق و کردار اور طرز زندگی سکھانا بھی نہایت اہم ہیں۔ چناچہ عقائد اور اعمال صالحہ کے تذکرہ کے بعد فرمایا۔ {وَلَا تُصَعِّرۡ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمۡشِ فِي ٱلۡأَرۡضِ مَرَحًاۖ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخۡتَالٖ فَخُورٖ ۝ وَٱقۡصِدۡ فِي مَشۡيِكَ وَٱغۡضُضۡ مِن صَوۡتِكَۚ إِنَّ أَنكَرَ ٱلۡأَصۡوَٰتِ لَصَوۡتُ ٱلۡحَمِيرِ ۝}(۲۸) ترجمہ: اور (ازراہ غرور) لوگوں سے گال نہ پھلانا اور زمین میں اکڑ کر نہ چلنا۔ کہ خدا کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی چال میں اعتدال کئے رہنا اور (بولتے وقت) آواز نیچی رکھنا کیونکہ (اُونچی آواز گدھوں کی ہے اور کچھ شک نہیں کہ) سب آوازوں سے بُری آواز گدھوں کی ہے۔ قرآن اپنی تعلیمات میں واضح کرتا ہے کہ اس دنیا میں انسان کی حیثیت اللہ کے بندے اور اسکے نائب کی ہے، اللہ تعالی نے کائنات پر تصرف کے اختیارات دے کر انسان کی آزمائش کی، یہ آزمائش کسی ایک امر میں نہیں بلکہ تمام امور میں ہے، نفس و جسم کی جتنی صلاحیتیں انسان کو دی گئی ہیں سب میں اس کا امتحان ہے اور خارج میں جن جن چیزوں پر اسے اختیارات دیئے گئے ان میں بھی کہ انسان کس طرح اپنا اختیار استعمال کرتا ہے، مشیت خداوندی پر کامل یقین کا نتیجہ یہ ہے کہ اب دنیا میں اپنے لیے اخلاقی طرز عمل کو متعین کرنے کا حق انسان کو نہیں بلکہ اللہ کے وضع کردہ قواعد و قوانین کا پابند ہے کہ جس نے نہ صرف کائنات بلکہ انسان کو بھی تخلیق کیا یہ ہی وہ راز ہے کہ جس کی بناء پر ہر دور اور علاقے میں اعلی اخلاقی معاشرہ تشکیل پاتا ہے، ڈاکٹر محمود احمد غازی رقم طراز ہیں کہ: "اخلاقی تعلیم سے مراد فلسفہ اخلاق کے نظری مسائل اور مجرد مباحث نہیں، بلکہ اس سے مراد وہ مکارم اخلاق پیدا کرنا ہے جن کی جابجا قرآن وسنت میں تعلیم دی گئی ہے، ان مکارم اخلاق سے عملاً متصف ہونے کے لیے تعلق مع اللہ اور آخرت کی جواب دہی کا شعور بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔(۲۹) قرآن کریم چاہتا ہے کہ بچپن سے بچے کے ذہن میں خیر وشر کو بیان کیا جائے اور ساتھ ہی اس طرح ذہن سازی کی جائے اللہ تعالی کے احکامات کی مخالفت کے خیال سے اسکی روح لرز جائے، شیطان جسے آدم کی عزت و تکریم کا جو حکم اللہ نے دیا تھا اسے تسلیم نہ کیا، ان مخالفانہ جذبات کی وجہ سے خیر وشر کی لڑائی شروع ہوئی، ابلیس انسان کا دشمن ہے کیونکہ وہ انسان کی وجہ سے اللہ کے دربار سے نکالا گیا اور اس نے اللہ کو چیلنج کیا کہ وہ

انسان کو ورغلائے گا اور اس کو قدرتی سیدھے راستہ سے ہٹا کر ہمیشہ کی گمراہی کی طرف لے جانے کی کوشش کرے گا، یہ ہی وہ اخلاق خیر و شر کی حقیقت ہے جو کہ انسان کے لیے ابدی مقابلے کی صورت ہے جن انسانوں نے اپنی زندگی قرآنی اصولوں کے مطابق گزاری اور نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہوئے اور جو نہ کر سکے وہ ناکام۔ وہ چیز جو انسان کے جذبات اور احساسات کو منضبط کرے وہ اخلاق، تزکیہ اور احسان ہے، یہ احساس کہ میں ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہوں اور وہ کسی وقت بھی، ایک دقیقہ اور ایک ثانیہ کے لیے بھی، میرے اعمال سے غافل نہیں ہے۔ ایک بہت بڑی نعمت ہے یہ احساس انسان کے اندر ایک انقلابی قوت اور غیر معمولی تبدیلی پیدا کرتا ہے۔

خلاصہ و نتائج:

1. اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلیفۃ الارض کے منصب پر علم کی بنیاد پر فائز کیا اور علم سے مراد معلوم چیز پر مزید غور و فکر، تحقیق اور معلومات کے باہمی تبادلے سے تسخیر کائنات کے اسرار کو اپنی ذات پر منکشف کرنا اور معلوم سے نامعلوم کے نہ ختم ہونے والے سفر پر تسلسل کے ساتھ گامزن رہنا ہے۔
2. قرآن انسان کو دین و دنیا میں کامیابی کا مقصد بتاتے ہوئے بتدریج ایسا طریقہ بیان کرتا ہے جس سے انسان نہ صرف تسخیر کائنات کرتے ہوئے اشیاء کا علم اور ان کو استعمال میں لائے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تطہیر نفس کرتے ہوئے نفس مطمئنہ کے درجے پر فائز ہو جائے۔
3. قرآن، انسان کی ابتدائی حالت جب اس میں شعور، تمیز اور احساس بیدار ہوتا ہے تو انہی فطری طریقوں سے اطفال کی تعلیم و تربیت کی ترغیب دیتا ہے جس سے بچے میں پائی جانے والی صلاحیتیں اس طرح سے پرورش پائے اور نکھریں کہ وہ کمال تک پہنچ جائے۔
4. کھیل کود، چیزوں کو دیکھنا، سمجھنا، محسوس کرنا وہ تمام عوامل ہیں جو کہ بچوں کی نازک طبع پر گراں گزرے بغیر علوم کے سیکھنے و سکھانے میں ممد و معاون ہیں اور دور حاضر کے تعلیمی اداروں میں معروف بھی۔ قرآن کریم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کو کھیلنے کے لیے بھیجنا اس ہی امر کی طرف اشارہ ہے۔
5. قرآنی احکامات جس طرح بتدریج نازل ہوئے جس کی حکمت لوگوں کی بڑھتی ہوئی استطاعت کے ساتھ ساتھ انہیں احکامات کا مکلف بنانا تھا وہاں اس میں یہ بات بھی مضمر تھی کہ اسی طرح اطفال کی جسمانی نشو و نما کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کی ذہنی و اخلاقی تربیت کا اہتمام کیا جائے۔
6. بچوں کی شخصیت سازی کے لیے لازم ہے کہ ان کی باتوں کو غور سے سنا جائے اور اس پر توجہ دی جائے جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب غور سے سنا اور اہمیت دی۔
7. بچوں سے پیار و محبت کے ساتھ ان کے ہر عمل اور اس سوچ کی نگہبانی ضروری ہے جس کی بدولت وہ عمل وجود میں آیا جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم علیہا السلام سے گفتگو کرنا۔

8. بلوغت کی عمر میں پہنچ کر بچوں میں لوگوں سے میل جول اور آداب معاشرت سے واقف کروانے کی ذمہ داری والدین کی ہے اور ساتھ ہی علم وحکمت حاصل کرنے کی ترغیب دینا بھی والدین اور اساتذہ کرام کے اہم فرائض میں شامل ہیں۔

9. قرآن انسان کو دین ودنیا میں کامیابی کی ترغیب دیتا ہے چنانچہ قرآن کا مطلوب مومن ایسا شخص ہے جو نہ صرف ایک طرف دنیاوی علوم وفنون اور معاملات میں لوگوں کی رہبری ور ہنمائی کریں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان اعلیٰ اخلاقی ورروحانی صفات کا حامل ہو کر وراثت انبیاء کا صحیح حق دار قرار پائے۔

10. اعلیٰ صفات کی حامل مقبول، ہر دل عزیز اور عالم گیر شخصیت کا حصول تب ہی ممکن ہے جب قرآن کریم کی دی ہوئی تعلیمات کے عین مطابق بچوں کی تعلیم وتربیت کی جائے۔

تجاویز وسفارشات:

1. الیکٹرونک، پرنٹ میڈیا اور سیمینارز کے ذریعے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے قرآن کریم کی تعلیمات کو عام کیا جائے۔
2. اس موضوع کو نصاب تعلیم میں شامل کیا جائے۔
3. اعلیٰ تعلیمی ادارے، غیر نصابی سرگرمیوں میں تربیتِ اولاد کو نمایاں مقام دیں۔
4. حکومت والدین کو اس بات کا پابند بنائے کہ وہ اپنی ذمہ داری قرآنی تعلیمات کے مطابق سرانجام دیں۔
5. تمام سرکاری اور نجی اداروں میں بحث ومذاکرہ کی مجالس منعقد کرا کر لوگوں کو موضوع کی اہمیت سے روشناس کرایا جائے۔
6. مذہبی ادارے اور علمائے دین جلسوں اور خطبات کے ذریعے اس فکر کو لوگوں میں اجاگر کریں۔
7. معاشرتی وسماجی ادارے نہ صرف اپنے اداروں میں اسے عام کریں بلکہ ورکشاپس اور ڈراموں کے ذریعے لوگوں کو عملی تربیت دیں۔
8. سیاسی جماعتیں اپنے منشور اور سرگرمیوں میں اسے شامل کریں۔
9. اہل محلہ، پنچائیت اور جرگہ کی صورت میں اس پر مذاکرہ اور تبادلہ خیال کریں۔

مصادر ومراجع:

(1) قاسمی کیرانوی، وحید الزمان "القاموس الوحید" ج دوئم، ص1003 کتب خانہ حسینیہ دیوبند، 2006.
(2) مجمع اللغۃ العربیۃ الادارۃ العامۃ للمجمعات واحیاء التراث "المعجم الوسیط" ج دوئم، ص6006 مکتب نعمانیہ پشاور، ن م.
(3) الحسینی الحنفی، محمد مرتضیٰ "تاج العروس" ج ہفتم، ص417، دار الفکر، بیروت، ن م.
(4) جبران مسعود "الرائد" ج2، ص972، دار العلم، بیروت، 1967.
(5) المؤمن، 40:67.

(6) النور،24:59.
(7) القرطبی، محمد ابن احمد "الجامع لاحکام القرآن "ج12، ص ص12،11،دارالکتب المصریہ، قاہرہ،ن م.
(8) التحریم،66:6.
(9) الاحقاف46:15
(10) خالد علوی،ڈاکٹر "اسلام کا معاشرتی نظام"ص227،الفیصل،لاہور،2009.
(11) الاحقاف46:17-18
(12) النجم،53:21-22.
(13) خالد مسعود،ڈاکٹر "حیات رسول امی "ص75،دارالتذکیر،لاہور،2003.
(14) النحل،16:58-59.
(15) صدیقی، محمد اسلم،ڈاکٹر "تفسیر روح القرآن"ج12،ص420،مطبع ھدی للناس،لاہور،2010.
(16) الملک،67:2.
(17) اصلاحی، صدرالدین "معرکہ اسلام وجاہلیت"ص18،اسلامک پبلیشرز،لاہور،1990.
(18) الزمر،39:6.
(19) البقرہ،2:233.
(20) World Health Organization, P27, Singapore, 2003.
(21) الانسان،76:2-3
(22) النحل،16:78
(23) العلق،96:5
(24) عثمانی: محمد تقی "مفتی "آسان ترجمہ قرآن"ص1942مکتبہ معارف القرآن کراچی،2011
(25) یوسف،12:12.
(26) Sara Knite "Forest schools and outdoors learning in the early years: Sega publications, P6, London 2009.
(27) النور،24:59.
(28) لقمان،31:18-19
(29) غازی، محمود احمد،ڈاکٹر "محاضرات شریعت"ص172،الفیصل،لاہور،2009.

References:

1. Waheed Uzzaman Qasim Kiranvi "Al Qamoos Ul Waheed", Kutub Khana Hussania, Deoband (2006).
2. Majma Al-Lughatul Al Arbia Idaratul Majmuat o Ahya-e-Tasurat "Al Muajem Waseet", Maktab Noumania, Peshawar.
3. Muhammad Murtaza, Al Hussani Hanfi "Taj ul Uroos", Dar ul Fikr, Beirut.
4. Jibran Masood "Al-Raied", Dar ul Elm, Beirut.
5. Al Momin 40:67.
6. An-Nur 24:59.
7. Muhammad Ibn Ahmed, Al Qurtabi "Al Jami ul Hukkam Al Quran", Dar ul Kutub Misria, Qahira.
8. At-Tahrim 66:6
9. Al-Ahqaf 46:15
10. Doctor Khalid Alvi "Islam ka Muasharti Nizam" Al Faisal, Lahore (2009).
11. Al-Ahqaf 46:17-18
12. An-Najm 53: 21-22.
13. Doctor Khalid Masood "Hayat-e-Rasool Ummi", Dar-ul-Tazkeer, Lahore (2003).
14. An-Nahl 16:58-59.
15. Doctor Muhammad Aslam Siddiqui "Tafseer Rohul Quran", Matba Hudallinnas, Lahore (2010).
16. Al-Mulk 67:2.
17. Sadaruddin Islahi "Marka Islam o Jahiliat" Islamic Publishers, Lahore (1990)
18. Az-Zumar 39:6.
19. Al-Baqarah 2:233.
20. World Health Organization, P27, Singapore, (2003).
21. Al-Insan 76: 2-3.
22. An-Nahl 16: 78.
23. Al-Alaq 96:-5
24. Usmani, Muhammad Taqi "Mufti" Asan Tarjama-e-Quran "Page 1942", Maktaba Ma'arif-ul-Quran Karachi, (2011).
25. Yusuf 12:12.

26. Sara Knite "Forest schools and outdoors learning in the early years: Sega publications, P6, London2009.
27. An-Nur 24:59.
28. Luqman 31: 18-19.
29. Doctor Ghazi Mahmood Ahmed "Muhazrat e Shariat, Al Faisal, Lahore (2009).

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License